احساس
از صباء عطاءاللہ

السلام علیکم

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری، ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

احساس

ازقلم صباء

عطااللہ

انتساب

www.novelsclubb.com

میرے والدین کے نام جنہوں نے ہر ڈگمگاتے قدم پر میری انگلی تھامی اور مجھے آگے بڑھنا سکھایا۔

وہ شخص اپنے چہرے سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔ پیاس کی شدت اب ناقابل برداشت ہوتی جارہی تھی۔ مئی کی شدید گرمی نے اُسے پسینے میں شرابور کردیا تھا۔اس کے سُست قدم مسلسل سڑک پر رواں تھے۔ارد گرد نظر دوڑانے پر چند ایک چہرے ہی نظر آرہے تھے۔ سڑک کے کنارے موجود ٹھیلوں پر پھل فروش گاہکوں کے منتظر تھے۔اُن کے سروں اور

ٹھیلوں پر بڑی بڑی چھتریاں سایہ فگن تھیں۔ شاید اس لیے اُنھیں گرمی کا احساس کچھ کم محسوس ہو رہا تھا۔ اب وہ شخص بھی ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے۔ کچھ پل آرام کی غرض سے اُس نے سر کو تناور درخت سے ٹیک لیا۔ گردش حالات اور مستقبل کا خوف اُس کے ذہن کو مفلوج کر رہا تھا۔ پسینے اور گرد میں اٹا چہرہ اس کے حال کا آئینہ دار تھا۔ اس قدر بُری حالت میں بھی اُس کے قدم گھر کی راہ پر پڑنے سے انکاری تھے۔

جانی پہچانی دستک سے اُن ننھے قدموں میں حرکت ہوئی اور وہ بیرونی دروازے کی طرف دوڑے۔

"ہدیٰ! پوچھ کر کھولنا!" پیچھے سے کسی بڑے نے یاد دہانی کروائی تھی۔

"بابا۔۔ بابا۔۔ آپ آ گئے؟" دروازہ کھلتے ہی اُس بچی کو دیکھتے اُن کے پریشان چہرے پر بہار آ گئی۔

"میرے لیے سموسے اور کچوریاں لے آئے نہ آپ؟" باپ سے لپٹتے ہوئے فرمائشیں بھی یاد کروائی گئیں۔

"ہدیٰ بیٹا آپ کو کتنی دفعہ کہا ہے کہ جب کوئی باہر سے آئے تو اسے ہاتھ نہیں لگانا۔ میرا بیٹا بیمار ہو جاؤ گی آپ!" اُس کو خود سے دور کرتے ہوئے یاد کروایا۔ان کا لہجہ بیک وقت شفقت اور فکر دونوں ظاہر کر رہا تھا۔

"آپ تو میرے پیارے بابا ہیں۔۔آپ سے کیسے بیماری لگے گی مجھے۔۔"اُس کے معصوم جواب نے انھیں لاجواب کر دیا۔

'آپ چیزیں نہیں لائے نہ۔۔"اُن کے خالی ہاتھ دیکھ کر بچی کی خوشی ماند پڑنے لگی۔

"بیٹا آپ کو بتایا تھا نہ کہ کرونا وائرس کی وجہ سے سب دکانیں بند ہیں۔"انھوں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

www.novelsclubb.com

"افوہ.....آج کل کچھ بھی کہو سب کرونا وائرس کو آگے کر دیتے ہیں۔"ہدیٰ نے اکتاہٹ ظاہر کی۔

"آپ مجھے کتنے دن سے پارک بھی نہیں لے کر گئے نا بابا....." یاد آنے پر اب اسے نیا دکھ ستانے لگا۔ ہنستے ہوئے چہرے پر اب اداسی چھا گئی تھی۔

"ہدیٰ! بابا کو سانس تو لینے دو۔ دیکھو تو باہر کتنی گرمی ہے۔" اب اُس بچی سے عمر میں کچھ بڑی لڑکی نے انھیں دروازے پر ہی محو گفتگو پا کر باورچی خانے کی کھڑکی سے آواز لگائی۔

جاوید صاحب صحن میں ترپال کے نیچے بچھی چارپائی پر بیٹھ گئے۔

یہ دو کمروں ، باغیچے، باورچی خانے اور غسل خانے پر مشتمل چھوٹا سا گھر تھا ۔ باغیچے کے درمیان میں امرود کا قدآور درخت موجود تھا۔ جس پر کچے پکے امرود لٹک رہے تھے۔ جو گلی میں گزرتے راہگیروں کی توجہ اپنی جانب کھینچتے تھے۔ جبکہ محلے کے کچھ شریر بچے ان امرودوں کو پتھروں کا نشانہ بھی بناتے۔ امرود کے ارد گرد مختلف سبزیوں اور پھلوں کے پودے نظر آرہے تھے۔ باغیچے کے شروع میں موجود پودا لال اور ہرے ٹماٹروں سے بھرا ہوا تھا۔ جس پر گھر میں داخل ہوتے ہر فرد کی پہلی نظر پڑتی اور کچھ لمحے وہیں ٹھہر جاتی۔

اس گھر کا صحن دونوں کمروں کو باغیچے سے ملاتا تھا۔اس وقت صحن میں ترپال نے سایہ کرر کھا تھا۔شائد یہ ترپال سامنے موجود کمروں کو گرمیوں میں دھوپ اور برسات میں بارش سے محفوظ رکھنے کے لیے تھی۔

"اوہ سوری۔ بابا آپ اندر آئیں میں پانی لاتی ہوں۔" سماعتوں تک پھر ہدیٰ کی آواز پہنچی ۔جس کے قدموں کا رخ باورچی خانے کی سمت تھا۔ذہن میں ماں اور بہن کی ہدایت گونج رہی تھی کہ جو بھی باہر سے آئے اس کے لیے پانی لانا ہے۔

"ہدیٰ۔تم پھر بھول گئی ہو۔"ہدیٰ کے بڑھتے قدموں کو ردا کی آواز نے روکا۔ردا بھی اب باورچی خانے سے محن میں آگئی تھی۔

"کیا بجو۔"اس نے حیرانی سے پیچھے مڑ کر پوچھا۔

"وہی جو آج دس بارہ دفعہ بھولی ہو کہ آج سے رمضان شروع ہوا ہے۔تمھارے علاوہ سب کا روزہ ہے۔"بچی کے بھولپن بھرے چہرے پر بات کے آخر میں آشنائی کی جھلک ابھری۔

"افوہ۔۔۔تو آپ لوگوں نے مجھے بھی روزہ رکھوانا تھا نہ۔۔اب میرا روزہ نہیں ہے تو میں بھول جاتی ہوں۔"چھوٹے سے ہاتھ کو احتجاجی طور پر سر پر مار کر کہا گیا۔

"ابھی تم چھوٹی ہو۔بڑی ہو کہ رکھنا۔"ردا نے سمجھانا چاہا۔

"چھوٹی نہیں ہوں میں۔۔اگلے مہینے میں پورے آٹھ سال کی ہو جاؤں گی۔بابا مجھے بھی کل روزہ رکھوائیں گے نہ۔۔۔"ہدیٰ نے پہلے بڑی بہن کو چھوٹا کہنے پر آنکھیں دکھائیں پھر آخری بات جاوید صاحب کو لاڈ سے کہی۔

"اچھا بھئی کل ہم ہدیٰ کو بھی روزہ رکھوائیں گے۔"جاوید صاحب کے مسکرا کر کہنے پر ہدیٰ نے ردا کو دانت دکھائے اور کمرے کے اندر بھاگ گئی۔سیاہ فراک پہنے سرخ گالوں والی یہ بچی اس گھر کی جان تھی۔

جاوید صاحب اپنی اس بیٹی کی مسکراہٹ دیکھ کر جی اٹھتے تھے۔انھیں اپنے تینوں بچوں سے محبت تھی مگر پھر بھی اپنی اس اولاد کی تکلیف پر وہ دگنا دکھ محسوس کرتے اور اس کے ہنسنے پر خود بھی مسکرا اٹھتے۔دوسرے بچوں پر انھوں نے کبھی یہ ظاہر نہ ہونے دیا پر وہ ہدیٰ کی کسی

بھی فرمائش پر کبھی نہ نہیں کہہ سکے تھے۔ انسان کو اپنی ایک اولاد سب سے پیاری ہوتی ہے اور اس کی اصل وجہ وہ کبھی سمجھ نہیں پاتا۔

"بابا آپ اندر آئیں میں کولر لگاتی ہوں آپ کے لیے۔" انھوں نے آواز پر تھکے ہوئے وجود کے ساتھ اپنی بڑی بیٹی کی طرف دیکھا۔ ردا کے چہرے سے باپ کے لیے پریشانی جھلک رہی تھی۔

اچانک ان کو خیال آیا کہ ایک اولاد کو بھی باپ باقی اولاد کے مقابلے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ خاص کر بڑی بیٹی کو۔۔۔۔

"نہیں ردا بیٹا پہلے میں نہالوں۔ اس وبا کا کوئی بھروسہ نہیں۔" کہہ کر وہ غسل خانے کی طرف بڑھ گئے۔

---

www.novelsclubb.com

مسلسل سلائی مشین کی آواز کمرے میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ کولر کا شور بھی سماعتوں تک پہنچ رہا تھا مگر اس سے آتی ٹھنڈی ہوا کمرے میں سکون کا باعث تھی۔ ارد گرد کا منظر اس گھر کی خستہ حالی کا آئینہ دار تھا۔ دیواروں پر موجود رنگ جگہ جگہ سے اُکھڑ چکا

تھا۔کمرے کے دونوں جانب دو چارپائیاں بچھی تھیں۔دائیں کونے میں ایک چھوٹا سا ٹی وی سیٹ میز پر پڑا تھا۔سامنے والی دیوار کے ساتھ لکڑی کے دو صوفے رکھے گئے تھے۔ایک عورت چارپائی پر زوروشور سے کپڑے سلائی کرنے میں مصروف تھی۔صوفے پر موجود وجود سامنے والی دیوار پر نظریں ٹکائے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔اپنے شوہر کو پریشان دیکھ کر انھوں نے سلائی مشین روک دی اور اُٹھ کر ان کے برابر آکر بیٹھ گئیں۔

"جاوید آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟کیا کہیں بھی کام نہیں ملا۔"آواز پر چونک کر انھوں نے اپنے ساتھ بیٹھی شریکِ حیات کو دیکھا۔

"نہیں۔"ایک سرد آہ خارج کر کے یک لفظی جواب دیا گیا۔

"سب کا کہنا تھا کرونا کی وجہ سے ورکرز کو نکالا جارہا ہے کجا کہ نئے ورکرز کو نوکری دینا۔" انھوں نے دن بھر کی روداد ایک جملے میں سنائی۔

"آپ دل چھوٹا نہ کریں۔اللہ ہے نہ۔"صفیہ بیگم نے ان کا حوصلہ بڑھانا چاہا۔

"وہ تو تم ٹھیک کہتی ہو صفیہ۔ مگر مجھے آنے والے دن ڈرا رہے ہیں۔" اُن کا لہجہ خوفزدہ تھا۔

"کچھ نہیں ہو گا، آزمائشیں تو میرے رب کی طرف سے امتحان ہوتی ہیں۔ بس ہم نے اُس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا۔" صفیہ بیگم نے مشکل حالات میں اُمید کا دیا جلانے کی کوشش کی تھی۔

"ہم تو بھوکے بھی رہ لیں گے، لیکن بچوں کا کیا کریں گے۔ ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لی پر روزگار کا کوئی بندوبست نہیں ہو پا رہا۔" یوں لگتا تھا ان کے الفاظ آنسو بن گئے ہیں۔ ان باتوں سے صفیہ بیگم کا دل تڑپ اٹھا۔ لیکن انھوں نے ہر حال میں اپنے شوہر کا حوصلہ پست ہونے سے بچانا تھا۔

"اُن کا بھی تو اللہ ہی مالک ہے۔ وہ مشکل بھیجتا ہے تو آسانی دینے والی پاک ذات بھی اُسی کی ہے۔ انشااللہ آپ دیکھنا وہ سب بہتر کرے گا۔" جاوید صاحب کے لب خاموش تھے پر دل نے اونچی آواز میں "آمین" کہا۔

"آپ مناسب سمجھیں تو میں احمد بھائی سے بات کروں۔" انھوں نے کچھ ہچکچا کر پوچھا۔

"ہر گز نہیں۔میں کسی کے آگے ہاتھ ہی تو پھیلانا نہیں چاہتا۔ورنہ کب کا پھیلا چکا ہوتا۔"اِس مرتبہ اُن کا لہجہ قدرے سخت تھا۔

"ہاتھ پھیلانے کی کیا بات ہے بھلا۔میرے سگّے بھائی ہیں کوئی غیر تو نہیں۔ہم صرف قرض لیں گے۔جیسے ہی ہمارے حالات بہتر ہوں گے ہم واپس کر دیں گے۔"انھوں نے جاوید صاحب کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

"شوہر کی موجودگی میں اگر بیوی میکے سے پیسوں کا مطالبہ کرے تو شوہر کی عزت اور غیرت گھٹتی ہے اور جس مرد میں غیرت نہ رہے،اُس میں باقی کچھ نہیں رہتا۔"جاوید صاحب کے الفاظ اٹل تھے۔

ان کے جواب پر صفیہ بیگم ہولے سے مسکرائیں۔

"کیا ہوا۔"جاوید صاحب کو اس وقت اُن کی مسکراہٹ کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آئی۔

"مجھے آپ کا جواب معلوم تھا۔بس آج ایسے ہی دل کیا جاننے کا کہ اِس مرتبہ کیا کہتے ہیں۔اتنے سالوں کے ساتھ میں آپ کو اتنا تو جان ہی چکی ہوں۔"جاوید صاحب نے اُن کے پُر سکون تبسم بکھیرتے چہرے کی جانب دیکھا۔

"اب کیا ہوا ہے۔"اُن کے مسلسل دیکھنے پر صفیہ بیگم نے پوچھا۔

"میں تمھیں اتنے سالوں میں کچھ بھی نہیں دے پایا نہ۔"جاوید صاحب نے کہہ کر سر کو صوفے کی پشت سے ٹیک لیا۔

"آپ کو ایسا کیوں لگا؟"صفیہ بیگم نے حیرانی سے پوچھا۔

"تم بھی تو خواہش کرتی ہو گی آسائش بھری زندگی کی۔جبکہ میرے ساتھ میں تو تم نے ہر دن پہلے سے مشکل دیکھا ہے۔۔"جاوید صاحب نے بند آنکھوں سے جواب دیا۔

"ہاں کبھی کبھی دل کرتا ہے۔باقی عورتوں کی طرح میرے پاس بھی سب ہو۔لیکن....."جاوید صاحب کے لیے جیسے ارد گرد کی ہر چیز خاموش ہو گئی تھی۔اُن کی سماعتیں بس صفیہ بیگم کے اگلے جملے کے انتظار میں تھیں۔

"لیکن سچ کہوں تو جاوید میرے لیے آپ کی وفا، خودداری، حسن سلوک اور محبت کی متبادل کوئی آسائش نہیں ہو سکتی۔میں آپ کے ساتھ پہ مطمئن ہوں۔"اُن کے آخری جملے نے مقابل کے چہرے پر اطمینان بکھیرا۔

آج باقی دنوں کی نسبت گرمی نے مزید شدت اختیار کرلی تھی۔یوں لگتا تھاسورج کی شعاعیں جلد کی تمام تہوں کو جھلسارہی ہیں۔چرند پرند، حیوان اور انسان لبوں پر اللہ تعالی سے ابرِ کرم کی دعائیں سجائے اپنے اپنے آشیانوں میں چھپے بیٹھے تھے۔جو بھی باہر کارخ کرتا، پسینے میں شرابور اور تپش سے بے حال ہو کر واپس لوٹتا۔

جاوید صاحب بھی اپنے کمرے میں ٹی وی پر خبریں لگائے بیٹھے تھے۔سکرین پر دنیا بھر میں کرونا کی تباہ کاریوں کو دکھایا جارہا تھا۔انسانی زندگی گھروں تک مقید ہو کر رہ گئی تھی۔نہ نظر آنے والا یہ انتہائی چھوٹا جراثیم شہر کے شہر نگلتا جارہا تھا۔روز خبروں میں اموات کی تعداد میں بڑھتے ہولناک اضافے سے ہر انسان کواپنے ارد گرد موت نظر آنے لگی تھی۔جاوید صاحب بھی اپنے خاندان کے ہر فرد کی صحت کے لیے پریشان تھے۔اس جان لیوہ بیماری کے خوف سے انھوں نے صفیہ بیگم اور بچوں کو دو مہینوں سے گھر کی دہلیز پار نہ کرنے دی تھی۔ہر ضروری کام کے لیے وہ خود باہر جاتے اور تمام احتیاطی تدابیر اپنانے کی کوشش کرتے۔

مسلسل بے روزگاری کی وجہ سے روپیہ روپیہ کر کے جمع کی گئی رقم بس ختم ہونے والی تھی۔گھر میں موجود راشن بھی صرف چند دن کی اُمید تھا۔ان کا ذہن صبح سے ان مسائل کے حل کی تلاش میں تھا۔

"جاوید۔۔"صفیہ بیگم کی آواز پر انھوں نے دروازے کی جانب دیکھا جن کے چہرے پر بے چینی واضح تھی۔ان کے قریب آنے پر وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"کیا ہوا؟"انھوں نے صفیہ بیگم کے پریشان چہرے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"یہ لیں۔۔۔۔"صفیہ بیگم نے ان کے ہاتھوں میں سفید کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز دی۔

انھوں نے حیرانی سے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔کھولنے پر اس کپڑے میں سونے کی چین تھی۔

www.novelsclubb.com

"آپ پریشان مت ہوں۔یہ بازار میں بیچ آئیں۔اور رقم سے کچھ ضروری سامان لے آئیں۔"انھوں نے جاوید صاحب کی سوالیہ نظروں کا جواب دیا۔

"یہ چین تمھیں اماں نے ردا کی پیدائش پر دی تھی نہ۔"اپنے ہاتھ میں ان کی نشانی دیکھ کر انھیں ماں کا شفقت بھرا چہرہ یاد آیا۔

گھر میں موجود بزرگ ایک بہت بڑی نعمت ہوتے ہیں۔انسان کتنا بھی بڑا کیوں نہ ہو جائے،ماں باپ کی موجودگی میں ہمت نہیں ہارتا۔وہ اس یقین سے ہر کام کرتا ہے کہ ناکامی کی صورت میں کوئی ہے جو اس کو سنبھال لے گا۔

"جی۔"صفیہ بیگم نے آہستگی سے جواب دیا۔

"کتنی خوش تھی نہ وہ اس دن۔"ذہن میں ماں کی ہنستی مسکراتی تصویر ابھری۔جاوید صاحب کے گھر پہلی اولاد کی پیدائش پر ان کے قدم زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔کسی وقت ماضی بھی بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔جاوید صاحب نے چین کو چھو کر ماں کے لمس کو محسوس کرنے کی کوشش کی۔جو کہ اب اس دنیا میں دوبارہ محسوس کرنا ناممکن تھا۔

"یہ تمھاری ہے صفیہ۔۔۔تم فکر نہ کرو میں کچھ کر لوں گا۔"انھوں نے کچھ سوچ کر چین کو واپس اُن کی جانب بڑھایا۔

"کیا پتہ امی جی نے یہ آج کے دن کے لیے ہی دی ہو۔گھر میں موجود سونا مشکل وقت کے لیے ہی تو ہوتا ہے۔"صفیہ بیگم نے افسردگی کے چھائے بادلوں کو کم کرنے کی کوشش کی اور چین کو کپڑے میں لپیٹ کر بستر پر رکھ دیا۔

اب دونوں وجود بالکل خاموش پریشان و متفکر بیٹھے تھے کہ ہدیٰ بھاگتی ہوئی اندر آئی۔

"بابا۔۔۔"اس کی آواز پر جاوید صاحب نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"جی میرا بیٹا۔"ہدیٰ کے قریب آنے پر انھوں نے اسے گود میں بٹھالیا۔

"بابا۔میں بھی عید پر ویسا ہی جوڑا لوں گی۔جیسا آمنہ مومنہ نے لیا تھا عارف بھائی (پھوپھو کا بیٹا) کی شادی پر۔انھوں نے میرے کپڑوں کا بہت مذاق اُڑایا تھا۔"گود میں بیٹھتے ہی اس نے مسلسل بولنا شروع کر دیا۔اس کی آواز سے یوں لگتا تھا وہ بس رو دینے کو ہے۔

بچے معصوم ہوتے ہیں پر کسی کا طنز اور تمسخر اڑاتا لہجہ کبھی بھلا نہیں پاتے۔بلکہ کم عمری میں سنی گئی کچھ آوازیں ساری عمر اُن کا پیچھا کرتی ہیں۔

انھیں ایک دم یاد آیا کہ عید میں بھی چند روز ہی باقی ہیں۔آنے والے دنوں میں وہ اپنے بچوں کی خواہشات کا کیسے سامنا کریں گے۔ان کے دل نے صدا دی کہ ابھی تو آزمائشوں

کی شروعات ہے۔ تہوار بھی شائد امیروں کے لیے ہی ہوتے ہیں کیونکہ غریب کی جیب اسے یہ خوشیاں منانے کی اجازت نہیں دیتی۔

"اچھا میرا بیٹا۔ جیسے آپ کہو گی میں آپ کو ویسے ہی کپڑے لے کر دوں گا۔" وہ اُداس آنکھوں اور روتے دل کے ساتھ مسکرا کر بولے۔

"سچی بابا....." گردن اٹھا کر پوچھا گیا۔

جاوید صاحب نے اثبات میں سر ہلا کر اُسے یقین دہانی کروائی۔

"جاؤ ہدیٰ بھائی کے ساتھ کھیلو۔" صفیہ بیگم کے کہنے پر وہ خوشی خوشی صحن میں کھیلنے چلی گئی۔

"آپ پریشان مت ہوں۔ میں سمجھاؤں گی تو وہ بہل جائے گی۔ پتہ نہیں وہ باقی دونوں بچوں کی طرح صبر کیوں نہیں کرتی۔" صفیہ بیگم ہدیٰ کے رویے سے پریشان تھیں۔

"کوئی بات نہیں صفیہ، باپ سے ہی تو فرمائش کر رہی ہے۔ حالات نے مجبور کر دیا ورنہ میں اپنے بچوں کو ایسے حال میں تو نہ رکھتا کہ چھوٹی چھوٹی خواہشات کے لیے انھیں یوں ضد کرنا پڑتی۔" اُن کا لہجہ کربناک تھا۔

وہ ایک مضبوط مرد تھے۔ معاشرہ انھیں والدین کے جنازوں پر بھی رونے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ مگر اس وقت ان کی آنکھیں معمول سے زیادہ نمی کی وجہ سے چمک رہی تھیں۔

آخر گردش ایام نے اُنھیں اِس حد تک پہنچا دیا تھا جو اِن جیسا خوددار شخص نہیں چاہتا تھا۔ وہ مسلسل ایک گھر کے دروازے کو دیکھ رہے تھے۔ وسیع رقبے پر محیط یہ سفید اور بھوری ٹائلوں سے سجا ہوا گھر تھا۔ جس کی بیرونی دیواروں کے بالائی حصے ہری بیلوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ جن پر لگے سفید اور گلابی پھول گھر کی خوبصورتی کو مزید نکھار رہے تھے۔

سڑک کی دوسری جانب کھڑے شخص کے لیے آگے جاؤں نہ جاؤں، یہ کشمکش حل ہی نہیں ہو رہی تھی۔ کئی مرتبہ قدم گھر کی طرف بڑھتے مگر پھر رک جاتے۔ بے بسی کہنے کو محض ایک پانچ حرفی لفظ ہے مگر پچھلے کئی دن سے وہ اس کو لاتعداد مرتبہ محسوس کر چکے تھے۔ اب بھی اُن کی نظروں کے سامنے صبح کا منظر اُبھرا۔

www.novelsclubb.com

"ہم کچھ ٹیسٹ لکھ کر دے رہے ہیں۔ بچے کی حالت دیکھ کر تو کرونا کا خدشہ ہے۔" ماسک اور سفید ڈاکٹری لباس میں موجود ڈاکٹر کے الفاظ نے گویا ان کی کمر توڑ دی۔ جس ڈر نے انھیں کئی دن سے بے چین کر رکھا تھا وہ اپنے سامنے پَر پھیلائے کھڑا تھا۔

ان کے بیٹے کو دو تین دن سے ہلکا بخار اور کھانسی تھی۔ ہسپتالوں کی کرونا کے مریضوں کی وجہ سے بری حالت تھی۔ عوام کو کرونا سے بچاؤ کے لیے ہسپتال جانے سے روکا جا رہا تھا۔ انھوں نے کھانسی اور بخار میں کمی کے لیے دو دن تک چند گھریلو ٹوٹکے استعمال کیے۔ مگر رات سے چار سالہ حسن کو تیز بخار نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ دونوں میاں بیوی نے ساری رات اپنے رب سے بیٹے کی صحتیابی کی دعائیں کرتے گزاری تھی۔

چین کو بیچ کر ملنے والی رقم حسن کے ٹیسٹ کرواتے ہوئے خرچ ہو گئی تھی۔ اب ان کی جیب میں صرف پانچ ہزار کا ایک نوٹ تھا۔ جو اس وقت ان کی کل متاع تھا۔ جب ڈاکٹر نے ٹیسٹ کے نتائج سے بتایا کے کرونا نہیں ہے پر مستقبل کے لیے احتیاط کریں تو انھوں نے سکھ کی سانس لی۔ صفیہ بیگم اور حسن کو گھر چھوڑ کر انھوں نے سیدھا یہاں کا رُخ کیا۔

سڑک پر موجود کسی گاڑی کے ہارن نے انھیں ماضی سے حال میں کھینچا۔

اِنھی سوچوں کے سہارے وہ گھر کے دروازے تک پہنچے۔ہاتھوں نے ناچاہتے ہوئے بھی گھر کی گھنٹی بجائی۔

"کیامیرا یہ قدم ٹھیک ہے؟"یہ سوچ بھی ذہن کی دیواروں سے سر پٹخنے لگی۔

"اسلام علیکم چچا۔"کسی کی آواز نے انھیں متوجہ کیا۔

"وعلیکم اسلام حیدر بیٹا۔کیسے ہو؟"جاوید صاحب نے دروازے پر موجود خوش شکل نوجوان سے کہا۔

"میں تو بلکل فٹ ہوں۔آپ بتائیں۔کتنے دنوں بعد چکر لگایا۔"حیدر کے لہجے میں اپنائیت تھی۔

"ہاں وہ بھائی گھر پر ہیں؟"لڑکے کی گرمجوشی نے اُن کا حوصلہ بڑھایا۔

www.novelsclubb.com

"جی ابا گھر پر ہی ہیں۔آپ اندر تو آئیں۔"حیدر کے کہنے پر وہ گھر کے اندر داخل ہوئے۔

حیدر کے پیچھے چلتے ہوئے لان کی صورتحال نے ان کی توجہ اپنی جانب مبزول کروائی۔جہاں ہر طرف مختلف چادروں پر وافر مقدار میں راشن کا سامان رکھا گیا تھا۔راشن

کی ہر چیز برابر مقدار میں تھیلوں میں پیک کی جا رہی تھی۔ دو ملازم تھیلوں کو گاڑی میں رکھ رہے تھے۔ گھر کے اندرونی دروازے تک یہ سامان بکھرا ہوا تھا۔

"چچا آپ ڈرائنگ روم میں بیٹھیں۔ میں بلاتا ہوں ابا کو۔" حیدر انھیں ایک دروازے پر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔

"ارے جاوید تم۔" ابھی وہ دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے کہ کسی کی آواز نے ان کے قدموں کو روکا۔

انھوں نے مڑ کر آواز کے مالک کو دیکھا۔ مقابل عورت اب اُن کے قریب آ رہی تھی۔ جس کا لباس اپنی قیمت کا اعلان کر رہا تھا اور میک اپ سے سجے چہرے پر فخریہ مسکراہٹ تھی۔

"اسلام علیکم بھابھی۔" جاوید صاحب نے عزت سے سلام کیا اور نظریں جھکا لیں۔

"وعلیکم اسلام۔ کیسے ہو۔" نگینہ بیگم نے لاپرواہ انداز اپناتے ہوئے کہا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ آپ کیسی ہیں۔" جاوید صاحب کے انداز میں ان کے لیے عزت تھی۔

"خیریت۔آج ہمارے گھر کی راہ کیسے لے لی۔"ان کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ مقابل یہاں آنے پر شرمندہ ہو گیا۔

"جی وہ بھائی سے کچھ کام تھا۔حیدر انھیں بلانے گیا ہے۔"انھوں نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

"ہاں فیصل اندر ہی ہیں۔تم باہر لان میں بیٹھو۔برامت منانا پر کرونا کی وجہ سے فیصل کسی کو بھی گھر کے اندر نہیں جانے دیتے۔آج کل کسی سے بھی ملنا ٹھیک نہیں ہے نہ....."وہ کچھ جلدی میں تھیں۔

"جی بھابھی۔"اتنا کہہ کر انھوں نے واپس لان کی طرف قدم موڑے اور راشن پیک کرتے ملازموں کے پاس آبیٹھے۔

ابھی انھیں بیٹھے کچھ لمحے گزرے ہونگے کہ نگینہ بیگم چہرے پر ماسک اور ہاتھوں میں گلوز پہنے باہر آئیں۔

"رشید(ملازم)!یہ سب بعد میں کرنا۔ڈرائیور کو کہو گاڑی نکالے۔"سامان پیک کرتے ہوئے ملازم کو حکمیہ انداز میں کہا گیا۔

"جی۔بی بی جی" ملازم نے کہا اور گیٹ سے باہر نکل گیا۔

"میں تو عید کی خریداری کرنے جا رہی ہوں .....پہلے ہی کر لینی چاہئے بعد میں رش میں بڑی خواری ہوتی ہے۔تم بتاؤ صفیہ نے بچوں کی شاپنگ کر لی۔" کرسی پہ بیٹھے جاوید صاحب کو کچھ جتانے والے انداز میں کہا۔

جاوید صاحب خاموش رہے۔نگینہ بیگم بھی ان کا جواب سنے بغیر گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر گھر سے باہر چلی گئیں۔

"ارے جاوید تم ....." فیصل صاحب کی آواز سن کر وہ کھڑے ہو گئے۔فیصل صاحب سفید کلف لگے شلوار قمیض میں اپنی عمر سے کئی سال چھوٹے لگ رہے تھے۔

"کیسے ہو.....حیدر نے بتایا کے تم آئے ہو تو مجھے یقین ہی نہیں آیا۔" فیصل صاحب نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

"سناؤ بھابھی اور بچے کیسے ہیں ؟" فیصل صاحب نے ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر پوچھا۔

"جی الحمد للہ سب ٹھیک ہیں۔"

"آج اتنے دنوں بعد آئے تھے تو ان کو بھی ساتھ لے آتے "فیصل صاحب کے لہجے میں اپنا پن نظر آتا تھا۔

"بس یہ کرونا کی وجہ سے بچوں کو باہر نہیں نکلنے دیتے۔" جاوید صاحب ارد گرد نظریں پھیر کر اصل مدعے کو کہنے کے لیے الفاظ اکٹھے کر رہے تھے۔

"ہر مرتبہ بہانے ہی بناتے ہو بس۔ ویسے بھی مجھے تو یہ کرونا حکومتوں کی کوئی سازش لگتا ہے۔ "فیصل صاحب کے لہجے میں وائرس کے لیے واضح اکتاہٹ تھی۔

" نہیں بھائی احتیاط کرنی چاہیے اور انشااللہ اگلی مرتبہ ضرور لاؤں گا۔" جاوید صاحب سامنے لان کے دائیں کونے میں موجود درختوں کو دیکھ رہے تھے۔ مسلسل دیکھنے کی وجہ پتوں کی خوبصورت کٹائی سے لکھے گئے "اللہ" اور "محمد" کے حروف تھے۔ ان کا ذہن پھر دوہری سوچوں میں گھر گیا۔

انھوں نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں۔ آخر کار ان کی سماعتوں میں اپنی آواز میں ادا کیا گیا جملہ گونجا۔

"بھائی مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی۔"ان کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"ارے خیریت۔۔۔"فیصل صاحب نے حیرانی سے پوچھا۔

"جی بس کرونا کی وجہ سے فیکٹری والوں نے نوکری سے نکال دیا ہے تو۔۔۔۔"ان سے اپنا جملہ بھی مکمل نہ ہو پایا۔آج انھیں سمجھ آیا کہ ان کے رب نے اولاد کو آزمائش کیوں کہا ہے۔اولاد کی تکلیف پر انسان اپنے تمام اصولوں پر سمجھوتا کر لیتا ہے۔

"یار یہ تو واقعی مسّلے کی بات ہے۔کرونا نے میرے کارخانے کی آمدنی کو بھی کم کر دیا ہے۔اوپر سے جو تھوڑی بہت رقم تھی وہ حیدر نے اس راشن پر خرچ کر دی۔"کہتے ہوئے ارد گرد موجود سامان کی طرف بھی اشارہ کیا۔

"آج کل کے بچے کسی کی بات کہاں سنتے ہیں۔مگر تم پریشان مت ہو، کہیں سے رقم ملتی ہے تو میں سب سے پہلے تمھیں بلاتا ہوں۔"تھے تو چند الفاظ مگر جاوید صاحب کی آنکھوں سے اُمید اور چہرے کا مان چھین چکے تھے۔انھوں نے ایک نظر حیرت سے اپنے بڑے بھائی کو دیکھا۔

"اچھا بھائی۔اب میں چلتا ہوں۔"کہتے ہی وہ نشست سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔اب بیٹھے رہنے کا کوئی جواز بھی نہیں بنتا تھا۔

"دیکھو میرے بھائی ۔مجھے غلط مت سمجھنا۔مگر کوشش کرنے والے کو سب مل جاتا ہے۔ تمھیں نوکری نہیں مل رہی تو میں کسی سے بات کروں۔"جاوید صاحب کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ ابھر کر غائب ہو گئی۔یہ مسکراہٹ شائد اپنوں پر کیے گئے کھوکھلے مان پر تھی۔

"نہیں بھائی بہت شکریہ۔اللہ بہتر سبب کرنے والا ہے۔اب وہی کچھ کرے گا۔اللہ حافظ۔۔۔"کہہ کر ان کے قدم پھر نہیں رکے اور سب کچھ پیچھے چھوڑتے چلے گئے۔فیصل صاحب نے کتنی ہی آوازیں دیں۔مگر شائد گیٹ پار کرتے جاوید صاحب کی سماعتوں تک پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ گئیں۔گھر کی راہ میں کئی مرتبہ وہ راہگیروں سے ٹکرائے۔سڑک پار کرتے دو تین مرتبہ کسی حادثے کا شکار ہونے سے بچے۔کب اپنی گلی اور اپنے گھر کا دروازہ آیا انھیں معلوم نہیں۔

"کیا ہوا جاوید۔۔"صفیہ بیگم نے ان کی حالت دیکھ کر پریشانی سے کہا۔

"کچھ نہیں۔۔"انھوں نے بغیر رکے جواب دیا۔

"فیصل بھائی نے کیا کہا۔۔"صفیہ بیگم کے ذہن نے اُس طرف اشارہ کیا۔جاوید صاحب کے کمرے کی طرف بڑھتے قدم ایک مرتبہ پھر رکے۔

"وہ گھر پر نہیں تھے۔۔ "مزید سوالوں سے بچنے کے لیے وہ اندر کمرے میں چلے گئے۔تھکاوٹ زدہ قدموں سے شکستگی واضح تھی۔

"اے میرے رب !میں جانتا ہوں جھوٹے پر تیری لعنت ہوتی ہے۔مگر میں نہیں چاہتاصفیہ کے سامنے میرے اپنوں کا بھرم ٹوٹے یا میرے بچوں کے دل میں ان کی نفرت کا بیج بویا جائے۔"کمرے کے دروازے کو بند کرتے ہوئے انھوں نے دل میں اپنے رب سے کلام کیا۔

لیکن وہ بھول رہے تھے کہ ان کی اپنی ذات کا سگّے رشتوں پر موجود مان آج بری طرح ٹوٹا تھا۔جس کو شائد دوبارہ جڑنے میں صدیاں لگ جاتیں۔۔۔۔

"مجھے لگتا ہے ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے تھی۔میں نے پہلے اسے کبھی اتنا پریشان نہیں دیکھا۔تم نے مجھے کیوں منع کیا؟۔"صوفے پر بیٹھے فیصل صاحب نگینہ بیگم سے مخاطب تھے۔

گھر کے تمام افراد اس وقت افطاری اور مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ان کا بیٹا حیدر اور دو جڑواں بیٹیاں آمنہ اور مومنہ بھی سامنے صوفوں پر موجود تھے۔آمنہ مومنہ سامنے شیشے کے میز پر اپنی دوپہر میں آئی عید کی شاپنگ پھیلائے اس بحث میں تھیں کہ کس کا جوڑا زیادہ پیارا ہے۔

"ان لوگوں کے یہی تو انداز ہوتے ہیں۔پتہ نہیں کس کس سے غربت کے بہانے بنا کر رقم لی ہو۔آپ کے پاس اس لیے آیا کہ بھائی ہیں تو پیسے واپس بھی نہیں دینے پڑیں گے ۔"نگینہ بیگم نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔اُن کی آواز نے اب بچوں کو بھی اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

"لیکن یہ وقت تو اپنوں کی مدد کا ہے نہ۔۔۔مجھے لگتا ہے تمھاری بات مان کر میں نے صحیح نہیں کیا۔۔"اُن کے لہجے میں پشیمانی تھی۔

"جو لوگ گھر گھر جا کر ہاتھ پھیلانے کی ہمت کر لیں اُن کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہمیں حقداروں کا سوچنا چاہیے۔" نگینہ بیگم کے الفاظ میں تلخی سمائی۔ فیصل صاحب کو اپنے بھائی کے بارے میں یہ الفاظ بہت برے لگے۔ انھوں نے کچھ سخت کہنے کے لیے لب وا کیے ہی تھے کہ سامنے موجود بچوں کو دیکھ کر پھر خاموش ہو گئے۔

"اسی لیے تو حیدر سے کہہ کر اتنا راشن بانٹا ہے میں نے۔۔۔۔۔ ویسے بھی غریب لوگوں کو ہماری مدد کی زیادہ ضرورت ہے۔" ان کی خاموشی پر وہ پھر بولیں۔ ان کے انداز میں خدمتِ خلق کا جذبہ اور غریبوں سے ہمدردی کا احساس تھا۔

"اگر بھائی کی مدد کی اتنی ہی چاہ ہے تو اسے بھی یہ راشن بھیج دیں۔" فیصل صاحب کو اب بھی سوچ میں ڈوبے دیکھ کر انھیں غصہ آیا۔ یہ آخری جملہ کہہ کر وہ ڈرائنگ روم سے ہی چلی گئیں۔

www.novelsclubb.com

فیصل صاحب مزید کچھ نہ بول پائے۔ انھوں نے ہاتھ میں موجود چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔ چائے بھی رشتوں میں موجود محبت کی طرح ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

جاوید صاحب مسلسل سامنے سیم زدہ دیوار پر نظریں ٹکائے بستر پر دراز تھے۔ان کی نظریں کب سے ایک جگہ پر ہی مرکوز تھیں۔اب دیوار ماضی کے آئینے میں تبدیل ہونے لگی تھی۔

ایک لڑکا گھر کی طرف دوڑتا جا رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں کوئی سفید کاغذ تھا۔جسے اس نے کسی قیمتی متاع کی طرح تھام رکھا تھا۔یوں لگتا تھا وہ اس کاغذ کو زرا سہ مڑنے بھی نہیں دینا چاہتا۔لڑکے کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔اس کے بھاگتے قدموں نے گھر کے دروازے کو پار کیا۔وہ جلد از جلد اپنی ماں کو یہ خوشخبری سنانا چاہتا تھا۔

"چٹاخ۔۔۔"صحن میں تھپڑ کی آواز نے اس کے قدموں کو روکا۔

"دفعہ ہو جاؤ میرے گھر سے ۔۔۔اس دن کے لیے تمھیں پڑھا رہے تھے کہ اتنے خودغرض ہو جاؤ کہ ہمارے سروں سے چھت تک چھیننے کا فیصلہ خود کر لو۔"سامنے اس کے والد بھائی کو مارتے ہوئے چلا رہے تھے۔

"ابّا ٹھنڈے دماغ سے سوچیں۔ یہ ہم سب کے لیے بہتر فیصلہ ہو گا۔" لڑکے نے والد کی آنکھوں میں دیکھ کر اٹل لہجے میں کہا۔ اس کا انداز تھپڑ کھانے کے بعد بھی مضبوط تھا۔ بھاری ہاتھ کے تھپڑ سے چہرے پر ہاتھ کا سرخ نشان واضح تھا۔

"اپنی بکواس بند کرو فیصل۔۔" حمید صاحب اپنے بیٹے کی خود سری پر حیران تھے۔

"آپ تحمل سے اس کی بات تو سن لیں پہلے۔" نصرت بیگم نے کچھ جھجھکتے ہوئے کہا۔

"تم تو چپ ہی رہو نصرت۔۔۔ تمھاری بے جا طرفداری نے ہی آج یہ نوبت پیدا کی ہے۔" انھوں نے دونوں ماں بیٹے کو دیکھ کر افسوس سے کہا۔

"اگر تم نے اس کو شروع سے اس کی اوقات کی پہچان کروائی ہوتی تو آج یہ میرے سامنے یوں نہ کھڑا ہوتا۔" اب حمید صاحب نے فیصل کی طرف غصے سے دیکھ کر کہا۔

www.novelsclubb.com

"پر ابّا۔۔۔" فیصل نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے پر۔۔۔

"تم میری واحد اولاد نہیں ہو۔ تمھاری تو خود غرضی کی انتہا یہ ہے کہ تمھیں بوڑھے ماں باپ اور چھوٹے بہن بھائیوں تک کا خیال نہیں ہے۔" انھوں نے بیچ میں ہی اس کی بات

کاٹی۔اپنی بات نہ مکمل ہونے اور بہن بھائیوں کے سامنے باپ سے اس بے عزتی پر فیصل نے دائیں ہاتھ کو زور سے مٹھی میں بند کیا۔

"اپنی سوچ پر شرمندہ ہونے کی بجائے تم میرے سامنے دھڑلے سے کھڑے ہو کر اس گھٹیا سوچ کی تکمیل کا مطالبہ کر رہے ہو۔"حمید صاحب کی آواز ہر جملے کے ساتھ تیز ہوتی جارہی تھی۔نرم مزاج والد کو بچوں نے پہلی مرتبہ اتنے غصے میں بات کرتے سنا تھا۔دونوں بہنیں باپ اور بڑے بھائی کے درمیان اس بحث پر سہمی ہوئیں ایک کونے میں کھڑی تھیں۔

یہ لڑائی تو پچھلے چند دن سے گھر کا معمول بن چکی تھی۔وہ لڑکا چپکے سے برآمدے میں گیا۔اس کا رخ سامنے ڈائنگ ٹیبل کے ساتھ پڑی برتنوں کی الماری کی طرف تھا۔اس نے الماری سے ایک ڈائری نکالی۔ہاتھ میں موجود سفید کاغذ کو اس ڈائری میں رکھا اور ڈائری کو واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا۔اب اسے وہ جملے سنائی دیے جو شائد اس کے خوابوں کو نگلنے والے تھے۔

www.novelsclubb.com

"جیسی تم سب کی مرضی۔۔جو دل میں آئے وہ کرو۔۔"کہہ کر حمید صاحب رکے نہیں اور گھر سے چلے گئے۔فیصل بھی ان کے جانے کے بعد ایک کرسی کو ٹھوکر مارتا ہوا صحن میں موجود زینے تیزی سے چڑھ گیا۔

"اماں آپ پریشان مت ہوں۔"لڑکے نے ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر انھیں گلے لگا کر دلاسہ دیا۔

فیصل نے اپنے فیصلے کو نہ بدلہ اور آخر باپ کو ہی اس کی ضد کے آگے جھکنا پڑا۔اپنا آبائی گھر بیچتے ہوئے حمید صاحب کے وجود کا زرہ زرہ اپنے دکھ کو واضح کر رہا تھا۔آخری مرتبہ گھر سے نکلتے ہوئے انھوں نے حسرت بھری نگاہ ہر طرف دوڑائی۔اس گھر سے ان کی ہزاروں یادیں جڑی تھیں۔اپنا بچپن،اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ گزارہ ہوا وقت،اپنی جوانی کا دور،اپنے والدین کی جدائی، صحن میں اپنے بچوں کے پڑنے والے پہلے قدم۔۔۔اس لمحے انھیں کیا کچھ یاد نہیں آیا تھا۔ہشاش بشاش رہنے والے حمید صاحب اچانک بوڑھے دکھائی دینے لگے تھے۔

www.novelsclubb.com

کرائے کے گھر میں پہلی رات سب نے آنکھوں میں کاٹی تھی۔ نئی جگہ پر کسی کو بھی نیند نہیں آرہی تھی۔ایک وجود صحن میں بکھرے سامان کے پاس ایک صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔اس کی گود میں سیاہ رنگ کی ڈائری کھلی پڑی تھی۔ڈائری کے صفحات پر ڈاکٹری کے مختلف آلات کی تصاویر بنائی گئیں تھی۔جاوید نے اپنی جاگتی آنکھوں سے دیکھے گئے خواب کو اپنے ہاتھوں سے کاغذ پر اتارا تھا۔اچانک ڈائری میں سے ایک تہہ شدہ کاغذ اس کی گود میں گر گیا۔کاغذ کھول کر اس نے حسرت سے ہاتھ پھیرا۔یہ بارہویں جماعت کے سالانہ نتیجے کا سرٹیفیکیٹ تھا۔کاغذ پر نوے فیصد نمبروں کے ساتھ A+ چمک رہا تھا۔جاوید نے صفحے کو ڈائری میں دوبارہ رکھ کر ڈائری کو پاس میز پر پڑی کتابوں کے نیچے دبا دیا۔

فیصل انتہائی خوش تھا۔ائیر پورٹ سے جہاز تک جاتے ہوئے اس نے خود سے اور وقت سے کئی وعدے کیے۔اپنے باپ سے کیے ہر وعدے کو پورا کرنے کے لیے بھی وہ پُرامید تھا۔

مگر پڑھائی کے ساتھ ساتھ روزگار کی تلاش اور پردیس کی مشکلات نے اسے بے حال کر دیا۔ وقت نے ثابت کیا کہ پردیس کی کٹھن راہیں سب بھلا دیتی ہے۔فیصل کو بھی

بوڑھے ماں باپ، چھوٹے بہن بھائی، ماں سے کیے گئے وعدے، باپ کو دی گئی اُمید سب بھول گیا۔ دنیا کی تیز دوڑ میں دوڑتے دوڑتے پچھلی زندگی کب دھندلا گئی اُسے معلوم ہی نہیں پڑا۔

جب کے پیچھے کی زندگی اس قدر مشکل ہو گئی کہ جاوید کو پڑھائی چھوڑ کر ایک دکان پر کپڑے بیچنے کا کام کرنا پڑا۔ وہ اپنے خواب اور گھر میں پرانی کتابوں کے اندر چھپے اپنے سرٹیفیکیٹ کے بارے میں کسی کو بھی بتا نہ پایا۔

حمید صاحب کی طبیعت بھی بہت خراب رہنے لگی تھی۔ نصرت بیگم اور حمید صاحب اپنے گھر کی بدلتی حالت پر پریشان رہتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد فیصل نے ہر ماہ چند ہزار بھیجنے شروع کر دیے۔ پر وہ کسی سے بھی فون پر لمبی بات نہ کرتا۔ گھر کے حالات میں اس نے کبھی دلچسپی نہ لی۔ نصرت بیگم اس کے رویے سے اور زیادہ پریشان رہنے لگیں۔

www.novelsclubb.com

ایک دن حمید صاحب رات کو سوئے مگر پھر ان کی زندگی میں دوبارہ طلوع سحر نہ ہو سکی۔ گھر کے افراد کو یہ دکھ مکمل طور پر توڑ گیا۔ فیصل نے چھٹی نہ ملنے کی وجہ سے واپس آنے سے انکار کر دیا۔

نو عمر جاوید کو ان مشکلات نے گھر کا سب سے مضبوط سہارہ بنا دیا تھا۔ سب کی فکر کرتے کرتے اس کی اپنی ذات کہیں کھو گئی تھی۔ دوسروں کی ضروریات کا خیال کرتے کرتے کب اس کے دل نے خواہشات کرنا چھوڑا، اسے یاد ہی نہیں رہا۔

باپ کی وفات، ماں کی دروازے پر ٹکی آس بھری نظریں، فیصل کی اپنی ہم جماعت سے شادی کی اطلاع، مشکل سے کی گئیں بہنوں کی شادیاں اور ماں کی آنکھوں میں موجود سالوں کے انتظار کا ابدی نیند سونا۔۔۔۔۔۔۔ دیوار ایک کے بعد ایک منظر بدلتی رہی اور ان کے دکھوں کو بڑھاتی گئی۔

آخر میں دیوار نے ماں کے آخری وقت کا عکس ابھارنا شروع کیا۔

نصرت بیگم کو چند روز کی بیماری نے ہی بہت کمزور کر دیا تھا۔ ان کے ہاتھوں اور چہرے کی ہڈیاں پہلے سے زیادہ واضح ہو گئی تھیں۔ فیصل کو بیرونِ ملک گئے کئی سال گزر گئے تھے۔ اس دوران اس نے صرف دو مرتبہ گھر کا رخ کیا تھا۔ شہر میں اس کا نیا گھر بھی زیر تعمیر تھا۔ ماں کے آخری دنوں میں جاوید نے اسے کئی مرتبہ فون کیا مگر ہر دفعہ دوسری جانب

سے مطلوبہ نمبر کی مصروفیت کا بتایا جاتا رہا۔شائد مطلوبہ نمبر تک اب ان کی رسائی نا ممکن تھی۔

"جاوید۔۔۔۔مجھے معاف کر دینا۔۔۔۔۔میں جانے انجانے میں تمھارے ساتھ بہت بڑی زیادتی کر گئی ہوں۔"آخری دنوں میں وہ کس قدر دکھی تھیں جاوید کی آنکھوں کو وہ منظر کبھی نہیں بھولا تھا۔وہ گھر کی حالت کا قصوروار خود کو سمجھتی تھیں۔

اب دیوار سب کچھ جذب کر کے اپنی اصلی حالت میں واپس آگئی۔

تنہائی پا کر ان کے دل میں سالوں سے جمع ہوتے دکھ نے آنسوؤں کی صورت بہنا شروع کر دیا۔ان کی آنکھیں اب تھکن کے احساس سے بند ہونے لگی تھیں۔

---

www.novelsclubb.com

تپتی دوپہر کا وقت تھا۔ایسے لگتا تھا سورج زمین پر آگ برسا رہا تھا۔ہر کوئی خود کو گرم لو سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔لوگوں نے مختلف چیزوں کی مدد سے سروں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ایک سبزی فروش اپنے ٹھیلے پر موجود سبزیوں کو تازہ رکھنے کے لیے پانی چھڑک رہا تھا۔اب اس نے راہگیروں کی سہولت کے لیے سڑک پر بھی کچھ پانی کا چھڑکاؤ کیا۔

سڑک پر موجود ایک عالیشان گھر کے باہر لوگوں کی لمبی قطار تھی۔شروع میں موجود لوگ راشن کے تھیلے لے کر نکلتے تو پیچھے والوں کی باری آتی۔اس محل نما گھر کے لوگ اللہ کے عطا کردہ مال میں سے خلق خدا کا حق دینا نہیں بھولے تھے۔

فٹ پاتھ پر موجود شخص بھی اس قطار کو کب سے دیکھ رہا تھا۔سڑک پار کرنے کے لیے وہ دو قدم آگے بڑھتا اور پھر رک جاتا۔اس کی نظریں ارد گرد سڑک پر موجود ہر چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔کوئی جاننے والا نہ دیکھ لے یہ خوف دل کو معمول سے تیز رفتار میں دھڑکا رہا تھا۔ہمت کر کے اس نے سڑک جیسی کانٹے دار باڑ پار کر لی۔اب اس لمبی قطار میں شامل ہونا مشکل امر لگ رہا تھا۔اس کی بے بسی عروج پر تھی۔

سڑک کی دوسری جانب ایک پٹرول پمپ موجود تھا۔وہاں موجود سیاہ رنگ کی کرولا میں موجود شخص اس آدمی کو پندرہ بیس منٹ سے دیکھ رہا تھا۔سڑک کے کنارے کھڑے آدمی کی کشمکش والی صورتحال نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی تھی۔

www.novelsclubb.com

اب وہ شخص سڑک کے کنارے بنے سنگی بینچ کی طرف بڑھ گیا۔ بینچ پر بیٹھ کر بھی وہ اس قطار کو ہی دیکھ رہا تھا۔ایک لمحے اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔آخر اس نے حتمی فیصلہ کرتے ہوئے واپسی کی راہ لے لی۔اب اس کی چال میں ثابت قدمی تھی۔

"اسلام و علیکم۔۔"گھر میں داخل ہوتے ہی سلام کرتے ان کی نظر چارپائی پر موجود تھیلوں پر گئی۔پاس ہی صفیہ بیگم پریشان بیٹھی تھیں۔ان کے ساتھ ہی کھڑی ردا کا چہرہ غصے کا اظہار کر رہا تھا۔

"یہ سب کیا.....؟"ابھی انھوں نے بات مکمل نہیں کی تھی کہ ہدیٰ روتی ہوئی باہر آئی۔

"بابا میں کسی کے پرانے کپڑے نہیں پہنوں گی۔"ہدیٰ کی بات پر انھوں نے نا سمجھی سے صفیہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"نگینہ بھابھی نے کھانے کا سامان اور بچوں کے پرانے کپڑے بھجوائے ہیں۔"انھوں نے تھیلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

"بھابھی بھی آئیں تھیں۔۔۔"جاوید صاحب نے پوچھا۔وہ بچوں کے سامنے اس صورتحال پر کوئی بھی رد عمل نہیں دینا چاہتے تھے۔

"نہیں ڈرائیور لایا تھا اور اسی نے بھابھی سے فون پر بات کروائی۔" صفیہ بیگم نے آہستہ آواز میں کہا۔

"کیا کہہ رہی تھیں؟" جاوید صاحب نے ردا کے غصے بھرے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کہہ رہی تھیں یہ کپڑے آمنہ اور مومنہ نے ایک دو بار ہی پہنے ہیں، ہدیٰ کے کام آئیں گے۔ یہ بھی کہ غیروں سے پہلے اپنوں کا خیال کرنا چاہئے نہ اسی لیے تمھاری یاد آگئی۔" کہہ کر انھوں نے جاوید صاحب کے چہرے پر کچھ تلاشنا چاہا۔

اس جواب پر جاوید صاحب صفیہ بیگم کی طرف نہ دیکھ سکے۔ وہ چارپائی کے قریب کرسی پر بیٹھ گئے۔ کچھ سوچ کر انھوں نے تھیلوں کو اٹھانا شروع کیا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔۔۔" ان کو تھیلے اٹھاتے دیکھ کر صفیہ بیگم نے کہا۔

"اِنھیں ان کی اصل جگہ پر پہنچانے جا رہا ہوں۔ ردا کچھ سامان آپ اٹھالو۔" ان کے کہنے پر ردا نے بھی کچھ سامان اٹھالیا۔

"اصل جگہ؟"ان کو دونوں ہاتھوں سے سامان اٹھاتے دیکھ کر صفیہ بیگم نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"ہاں۔یہ فرحت بہن (بیوہ) کے گھر دینے جارہا ہوں۔آج زاہد بھائی (ہمسایہ) بتارہے تھے ان کے بیٹے کو کرونا ہو گیا ہے۔اِن چیزوں کی اُن کو ہم سے زیادہ ضرورت ہے۔"کہہ کر وہ گھر سے باہر چلے گئے۔

صفیہ بیگم کی متفکر نظروں نے دروازہ پار کرنے تک ان کا پیچھا کیا۔

رات کا وقت تھا۔جاوید صاحب صحن میں ہی تراویح پڑھ کر چارپائی پر لیٹے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ان کی زندگی کا یہ عجب رمضان تھا کہ بندے کا اپنے رب کے گھر جا کر نماز پڑھنا ہی ممنوع تھا۔ان کی نظریں تاروں بھرے آسمان پر ٹکی تھیں۔لب مسلسل اپنے رب کی بڑائی بیان کر رہے تھے جب کے ہاتھ تسبیح کے دانوں کو پھیر رہے تھے۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ۔۔"صفیہ بیگم کی آواز نے انھیں متوجہ کیا۔وہ اب کمرے سے آکر اپنی چارپائی پر بیٹھ رہی تھیں۔اس گھر کے مکین رات کے وقت صحن میں چارپائیاں

بچھائے سوتے تھے۔دن بھر کی تپش کے بعد رات کو چلتی ہوئی ہلکی ہلکی ہوا خلق خدا کے لیے خدا کی رحمت سے کم نہ تھی۔

"کچھ نہیں۔۔"انھوں نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے ہی جواب دیا۔

"آپ پریشان مت ہوں۔۔۔آج سلائی کروانے کے لیے محلے کی کافی عورتیں کپڑے دے گئی ہیں۔۔۔شہر کے ٹیلرز کی دکانیں بند ہیں نہ اس لیے۔۔۔ان پیسوں سے ہمارا اچھا گزر بسر ہو جائے گا۔"صفیہ بیگم نے ان کی پریشانی کا اندازہ لگاتے ہوئے حل بھی بتادیا۔

"نہیں۔۔۔میں یہ نہیں سوچ رہا۔"ان کی نظریں اب سامنے اینٹوں کی دیوار پر مرکوز تھیں۔

"پھر آپ کس لیے پریشان ہیں۔"جاوید صاحب نے کوئی جواب نہ دیا۔

"بتادیں۔کسی کو بتادینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔"انھیں اب بھی چپ دیکھ کر صفیہ بیگم نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"بچپن میں امی ایک بات کہتی تھیں وہی یاد آگئی۔"ان کے انداز میں کچھ عجیب تھا جو وہ سمجھ نہ سکیں۔

"کونسی بات۔۔۔"صفیہ بیگم نے حیرت سے پوچھا۔

جاوید صاحب نے ایک سانس فضا کے سپرد کر کے کہنا شروع کیا۔

"وہ اکثر کہتی تھیں کہ کچھ سالوں کے فرق سے ایک فرشتہ زمین پر آتا ہے۔صبر، شکر ،اخلاص، محبت میں سے ہر مرتبہ وہ انسانوں کے پاس سے کچھ لے جاتا ہے۔"جاوید صاحب کے لہجے سے ماں کی محبت اور دوری کا قرب بیک وقت ٹپک رہا تھا۔

"مجھے کبھی اِس بات پہ یقین نہیں آیا۔میں اکثر اُن کی باتوں کو مزاح میں ٹال دیتا تو کہتیں کہ خود ہی دیکھ لو ہمارے زمانے میں لوگوں کے پاس کچھ نہ تھا۔مگر وہ شدید گرمی میں ،روکھی سوکھی کھا کر، کھیتوں میں درخت کے نیچے بغیر کسی نرم بچھونے کہ سکون کی نیند سوتے تھے۔کیونکہ تب لوگوں کے پاس صبر تھا۔جبکہ اب انسان کے پاس ہر آسائش ہے مگر وہ سوہنے رب سے کسی نہ کسی چیز پر نالاں رہتا ہے کیونکہ اب لوگوں میں صبر ختم ہوتا

جارہاہے۔"وہ ٹھہر ٹھہر کر بدلتے انسانی رویوں پر اپنی ماں کی بتائی باتیں بیان کر رہے تھے

۔

مجھے ساری زندگی یہ باتیں پرانے لوگوں کی خود کی بنائی گئی لگتی رہیں۔۔۔اور دیکھو آج عمر کے کس حصے میں مجھے اس بات پر یقین آیا ہے اور تمھیں پتہ ہے اس مرتبہ وہ فرشتہ زمین سے کیا لے کر گیا ہے۔"آخر میں ان کی آواز میں دکھ بول رہا تھا۔

کیا؟صفیہ بیگم نے کھوئے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"احساس۔۔آج مجھے یقین آگیا کہ وہ فرشتہ احساس لے گیا ہے صفیہ۔مفاد پرستی اور زیادہ کی ہوس نے سگے رشتوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔"اب ان کے لہجے میں دکھ کے ساتھ سختی بھی تھی۔

صفیہ بیگم ان کے دکھ کی وجہ سمجھ گئی تھیں مگر انھیں معلوم تھا ان کا کوئی سوال مقابل کو شرمندہ کر دیتا اور ان کی شرمندگی صفیہ بیگم کے لیے بھی دکھ کا باعث بنتی۔۔۔اس لیے انھوں نے خاموشی سے اپنی چارپائی پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

اس وقت انھوں نے سچے دل سے اپنے شوہر کے لیے اپنے رب کے آگے دعا کی تھی۔

طلوع آفتاب کا وقت تھا۔رات بھر کی بارش سے ہر چیز اجلی اجلی لگ رہی تھی۔دھول سے اٹے ہوئے پتے بارش سے دھل کر صاف اور دیکھنے والی آنکھوں کو تازگی کا احساس دے رہے تھے۔

امرود کے بوڑھے درخت کی شاخیں پرندوں سے آباد تھیں۔ایک مضبوط ٹہنی پر تھوڑے تھوڑے فاصلے کے ساتھ پرندوں نے دو گھونسلے بنا رکھے تھے۔اس درخت کے تنے کے گرد ایک ہری بیل لپٹی ہوئی تھی۔جس پر نظر آتے دو تین کریلوں نے باغ میں اپنی الگ پہچان کروائی تھی۔درخت کے ساتھ دو چھوٹی چھوٹی کیاریوں میں زمین کو بانٹا گیا تھا۔قریب جانے پر ان میں دھنیے اور پودینے کو دیکھا جا سکتا تھا۔پودینے کے ننھے ننھے پودوں نے خود کو ملا کر کٹوروں کی شکل اختیار کی ہوئی تھی۔جن میں موجود بارش کے شفاف پانی نے انھیں مزید خوبصورت بنا دیا تھا۔پاس کچھ گملوں میں لگے مختلف رنگ کے گلاب کے پھولوں نے منظر میں جیسے رنگ بھر دیے تھے۔

صحن میں ایک طرف مٹی کے دو بڑے برتن موجود تھے۔ایک میں صاف پانی نظر آرہا تھا۔جب کے دوسرے کو دانے سے بھرا گیا تھا۔درخت پر بیٹھے پرندوں میں سے کچھ وقت کے بعد ایک پرندہ ان برتنوں کے قریب آتا،کچھ لمحے دانے کے برتن میں بیٹھتا ،دانوں میں سے اپنی مرضی کا چنتااور اڑتاہوا چھت پر یا کسی ٹہنی پر جابیٹھتا۔یہ منظر پاس ہی تسبیح کے دانوں کو انگلیوں پر پھیرتی ردا کو مبہوت کر رہا تھا۔

جاوید صاحب بھی صحن میں کرسی پر بیٹھے قران کی تلاوت کر رہے تھے۔ان کی خوشالحان آواز منظر کو مکمل کر رہی تھی۔ہدیٰ بھی گملوں کے قریب کھڑی جامنی گلاب کے پھول کو دیکھ رہی تھی۔اس کے ہاتھوں نے آگے بڑھ کر پھول کو توڑنا چاہا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"اس وقت کون آیا ہے۔"جاوید صاحب نے سوچا جبکہ ہدیٰ دروازہ کھولنے کے لیے دوڑی۔

"رکو ہدیٰ میں دیکھتا ہوں۔"جاوید صاحب نے اسے روکااور خود دروازے کی طرف بڑھے۔

"اسلام علیکم۔" دستک دینے والے نے دروازہ کھلتے ہی سلامتی بھیجی۔

"وعلیکم اسلام۔۔۔" جاوید صاحب دروازے پر حسان ملک کو دیکھ کر خاصے حیران ہوئے تھے۔ حسان ملک فیصل صاحب کے بچپن کے دوست تھے۔

"معذرت جاوید تمھیں اس وقت تکلیف دی ۔۔۔" شائد وہ ان کی حیرانی بھانپ گئے تھے۔

"ارے نہیں تکلیف کی کوئی بات نہیں آپ اندر آئیں۔" جاوید صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"ارے نہیں میں کچھ جلدی میں ہوں۔۔۔ ضروری بات تھی اس لیے سیدھا فجر پڑھ کر ادھر آیا ہوں۔۔۔ دراصل تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔" انھوں نے دہلیز پر کھڑے رہ کر ہی بات کو جاری رکھا۔

www.novelsclubb.com

"میری مدد۔۔۔" جاوید صاحب نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"دراصل ہماری کمپنی کو کرونا سے بچاؤ کے ماسک کا ایک بڑا آرڈر ملا ہے۔ تم تو جانتے ہو ہم تو صرف لیدر کے پروڈکٹس ہی ایکسپورٹ کرتے تھے۔ کرونا نے اس کام کو مکمل طور پر بند کروا دیا ہے۔ فیکٹری کے مالک نے ہم سب کو بے روزگاری سے بچانے کی یہ نئی راہ

سوچی ہے۔ جس میں ہمیں تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔"ایک لمحے رک کر انھوں نے پھر بات جاری رکھی۔ جاوید صاحب نے بھی ان کے رکنے پر سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"کیونکہ ہمیں ڈیل فائنل کرنے کے لیے ماسک کے کچھ ڈیزائینز چاہئیں۔"حسان صاحب نے بات مکمل کر کے ان کی طرف دیکھا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے۔ آپ بتائیں اس سب میں میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔"جاوید صاحب کو اس صورتحال میں اپنی مدد کی ضرورت کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔

"ارے تم ہی تو مدد کر سکتے ہو۔ میں جانتا ہوں تم ایک قابل ڈیزائنر ہو۔ میں نے تمھارا کام دیکھا ہوا ہے۔ اور تم تو سلائی کا کام بھی جانتے ہو۔ جتنی جلدی ہو سکے مجھے کچھ نمونے تیار کر دو۔ جو دکھا کر ہماری ڈیل فائنل ہو سکے۔" وہ قریبی لیدر کی فیکٹری میں مینیجر کی پوسٹ پر تھے۔

www.novelsclubb.com

"لیکن میں۔۔۔۔"جاوید صاحب کو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دیں۔

"انکار مت کرنا یار۔ میں بڑی امید کے ساتھ آیا ہوں۔"ان کی امید بھری نظروں نے انھیں نہ کرنے سے روک لیا۔

"چلیں میں کوشش کرتا ہوں۔" آخر انھوں نے حتمی طور پر کہا۔

"تم سے یہی امید تھی میرے دوست ۔۔۔مجھے تم پر یقین ہے کہ وہ کوشش کامیاب ہو گی۔" ان کا چہرہ خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

"میرا ملازم کچھ دیر تک تمھیں ضروری سامان دے جائے گا۔" وہ واقعی کچھ جلدی میں تھے۔

خدا حافظ کہہ کر وہ گلی کا رخ کر گئے جبکہ اپنے پیچھے جاوید صاحب اس صورتحال کے متعلق سوچنے لگے۔

ملازم کے سامان پہنچانے کے بعد جاوید صاحب اور صفیہ بیگم مسلسل اس سامان کی کٹائی کر کے اسے مختلف ڈیزائینز کے ماسک کی شکل دے رہے تھے۔ جاوید صاحب نے کئی سال کپڑے کی دکان پر کام کیا تھا۔ اس لیے وہ کپڑے سلائی کرنا جانتے تھے۔ اس وجہ سے یہ کام ان کے لیے زیادہ مشکل نہ تھا۔

www.novelsclubb.com

دو دن بعد حسان صاحب کا ملازم کام کا پوچھنے آیا تو جاوید صاحب نے تیار کیے گئے نمونے اس کے حوالے کر دیے۔

اگلے دن ہی عصر کی نماز کے وقت حسان صاحب پھر دروازے پر دستک دے رہے تھے۔

جاوید صاحب اس وقت باغیچے میں لگے کریلوں کو اتار رہے تھے۔آج یہی ان کی افطاری کا واحد سامان تھا۔

ہدیٰ کے دروازہ کھولنے پر وہ جاوید صاحب کے قریب ہی آ گئے۔

"ارے جاوید تم نے تو کمال ہی کر دیا۔۔"ان کی آواز پر جاوید صاحب نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

"حسان بھائی آپ یہاں؟"

www.novelsclubb.com

"ہاں بھائی مجھ سے انتظار نہ ہوا تو شکریہ کہنے سیدھا چلا آیا۔"انھوں نے وضاحت دی۔

"بہت بہت شکریہ میرے یار۔۔۔کلائنٹس کو تمھارے ڈیزائن اتنے پسند آئے ہیں کہ انھوں نے دیکھتے ہی ہمیں آرڈر دے دیا۔"حسان صاحب بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

"مالک نے تمھارے لیے یہ بھیجا ہے۔"حسان صاحب نے ایک خاکی لفافہ ان کی طرف بڑھایا۔

"یہ کیا حسان بھائی؟"جاوید صاحب نے نا سمجھی سے لفافے کو دیکھا۔

"کھول کر تو دیکھو۔۔"انھوں نے کھول کر دیکھا تو اندر ہزار ہزار کے کافی سارے نوٹ موجود تھے۔جاوید صاحب کبھی لفافے میں موجود پیسوں کو دیکھتے اور کبھی حسان صاحب کے مسکراتے چہرے کو۔۔۔

"حسان بھائی یہ۔۔۔۔"انھوں نے پیسوں کی طرف دیکھ کر حیرت سے کہا۔

"یہ تمھاری محنت کا انعام ہے۔۔مالک نے تمھے بہت زیادہ شکریہ کے ساتھ یہ پیسے دینے کو کہا ہے۔"حسان صاحب نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"نہیں حسان بھائی۔۔۔مجھے خوشی ہوئی آپ کی مدد کر کے۔۔۔۔پر میں آپ سے یہ پیسے نہیں لے سکتا۔۔۔"انھوں نے لفافہ واپس ان کی طرف بڑھایا۔

"عجیب بات کرتے ہو اور ویسے بھی یہ میں نے تمھیں نہیں دیے۔یہ تمھاری محنت کا ہی معاوضہ ہے۔"انھوں نے مسکراتے ہوئے ان کا لفافہ تھامے بڑھا ہوا ہاتھ واپس نیچے کیا۔

"اچھا یہ سب چھوڑو۔۔۔تم مجھے یہ بتاؤ کہاں کام کر رہے ہو آج کل۔۔"انھوں نے بات کو نیا رخ دیا۔

"کہیں بھی نہیں۔۔۔کرونا کی وجہ سے فیکٹری بند ہے۔"جاوید صاحب نے کیاری کے بیچ میں پڑی کریلوں کی ٹوکری کو اٹھاتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"ارے واہ۔۔یہ تو اور بھی اچھا ہو گیا۔"حسان صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔جاوید صاحب نے سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔

"وہ اس لیے کہ مالک نے تمھیں کل فیکٹری بلایا ہے۔وہ تمھیں ڈیزائینگ ڈیپارٹمنٹ میں نوکری دینا چاہتے ہیں۔"انھوں نے جاوید صاحب کی سوالیہ نظروں کا جواب دیا۔ جاوید صاحب کے پورے وجود میں سکون کی لہر دوڑی۔

"کل وقت پر آجانا۔"کہہ کر انھوں نے فیکٹری میں اپنی موجودگی کا نقشہ سمجھایا۔

"جی بھائی۔۔۔بہت شکریہ۔۔۔"جاوید صاحب مشکور نظر آتے تھے۔

"ارے میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔یہ نوکری تمھیں تمھارے ہنر کی وجہ سے ملی ہے۔"انھوں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"تمھارا باغیچہ بہت خوبصورت ہے یار۔۔انسان کا دیکھ کر دل خوش ہو جاتا اور یہاں سے جانے کا دل ہی نہیں کرتا۔"انھوں نے ارد گرد نظریں دوڑا کر کہا۔

"پر اب مجھے اجازت دو۔"ہاتھ آگے بڑھا کر اجازت چاہی۔

"ارے آپ افطاری کر کے جایئے گا۔ تھوڑا سا تو وقت رہ گیا ہے۔"جاوید صاحب نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"نہیں میرے بھائی۔۔ تمھاری بھابھی اور بچے افطاری پر میرا انتظار کر رہے ہونگے۔۔"جاوید صاحب نے ان سے پھر آنے کا وعدہ لے کر دروازے تک چھوڑا۔

جاوید صاحب نے کمرے سے آتی روشنی میں صحن میں ہی مغرب کی نماز ادا کی تھی۔اب وہ ہاتھ اٹھائے اپنے رب سے راز و نیاز میں مشغول تھے۔کچھ قریب جانے پر ان کی آواز با آسانی سنی جا سکتی تھی۔

www.novelsclubb.com

"اے میرے رب۔۔۔میں جانتا ہوں تو دل کے راز جانتا ہے۔۔۔تو نے زندگی کے ہر مشکل وقت میں میرے ہر قدم پر میری راہنمائی کی۔۔۔۔مجھ میں یقین کی کمی تھی جو میں اتنے دن سے دنیا والوں سے امیدیں لگائے بیٹھا تھا۔۔۔تو ہی ہے جس نے مجھے اپنے علاوہ

دوسروں سے امیدیں جوڑنے پر راہِ راست دکھائی۔۔۔۔میں تیرا شکر کیسے ادا کروں میرے مولا۔۔۔جو تو نے اس دن اس راشن کی قطار میں لگنے سے پہلے میرے دل میں اپنے احکامات ڈال دیے۔۔۔۔"ان کی آواز میں عاجزی تھی۔

"اے میرے پیارے رب۔۔۔بے شک ہم انسان اپنی جانوں پر ہر روز ظلم کرتے ہیں۔ہمارے دلوں کو نور سے بھر دے میرے خالق اور ہمیں دوسروں کا ہمدرد بنا۔۔"

دعا کے لیے اُٹھے ہاتھوں کو چہرے پر پھیر کر انھوں نے ایک اور سجدہ کیا۔انھیں سمجھ آگئی تھی کہ یہی سجدے انھیں دربدر کی ٹھوکروں سے بچا سکتے ہیں۔اب وہ جائے نماز ہر بیٹھے اپنے رب سے باتیں کر رہے تھے۔

---

www.novelsclubb.com

رات بھر شہر میں طوفانی بارش ہوئی تھی۔بارش کے بعد ہر طرف پھیلی ہلکی اور نرم دھوپ قدرت کی خوبصورتی کو نکھار رہی تھی۔نیلے آسمان پر ہلکے رنگوں کو ظاہر کرتی قوسِ قزح ہر کسی کی توجہ کا مرکز تھی۔گلیوں میں موجود گڑھے پانی سے بھر چکے

تھے۔بچے گرمی کا زور ٹوٹنے پر خوشی سے گلی میں کھیل رہے تھے۔دو دن بعد عید کا روز آنے والا تھا۔سب خوش تھے کیونکہ بارش کے دن بھی عید کی پیشگوئی کی گئی تھی۔

حسان صاحب اپنی گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ سامان رکھوا رہے تھے۔وہ کب سے اپنی بیگم کے تیار ہونے کے انتظار میں تھے۔ہر مرتبہ صرف پانچ منٹ کا سنتے ہوئے اب مزید پینتالیس منٹ گزر چکے تھے۔ان کے قدم پھر سے کمرے کی جانب بڑھے کے وہ سامنے سے آتی ہوئی دکھائی دیں۔

"آگئی ہوں میں۔۔۔صبح صبح کس بات کی جلدی ہے آپ کو؟"انھوں نے اپنے بیگ کو گاڑی کی پچھلی نشست پر رکھا اور خود آگے آکر بیٹھ گئیں۔حسان صاحب نے بھی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

"اگر ناچیز کو اجازت ہو تو عرض کروں کہ صبح کا ایک بجنے والا ہے۔"ان کے مزاحیہ انداز پر بینش بیگم نے گھورا۔

"مجھے آپ کی ساری بات میں یہ سمجھ نہیں آیا کہ آپ نے جاوید بھائی کی مدد ایسے ہی کیوں نہ کر دی.....بھلا ان کے لیے اپنے بوس سے سفارش کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔"بینش بیگم کو ابھی تک یہ سوال پریشان کر رہا تھا۔

کل رات انھوں نے جاوید صاحب کے متعلق ساری کہانی اپنے شوہر سے سنی تھی۔جو کل اُن کے بچوں کے لیے عید کی شاپنگ اور مختلف کھلونے لائے تھے اور اب وہ دونوں انھیں یہ سامان دینے ہی جا رہے تھے۔

"وہ اس لیے میری پیاری بیگم.....کہ دنیا میں خوددار لوگ ختم ہوتے جا رہے ہیں.....اگر میری زرا سی کوشش پر کسی کی خودداری بھی قائم رہی ہے اور اس کے لیے حلال رزق کا ذریعہ بھی بن گیا ہے تو میرے لیے یہ دنیا کا سب سے بڑا نفع ہے۔"سیاہ کرولا سڑک کے دائیں جانب مڑی تو حسان صاحب کی آواز اب دور جاتی محسوس ہوئی۔

www.novelsclubb.com

آج جاوید صاحب کے صحن میں موجود پرندوں کا شور معمول سے زیادہ تھا۔طوفانی بارش کی وجہ سے درخت پر موجود گھونسلوں میں سے ایک آشیانہ زمین بوس تھا۔شائد پرندے

اپنے شور سے انسانوں کو اپنے ضیاع سے آگاہ کر رہے تھے۔ابر کرم بھی کبھی کبھی کسی کے لیے رحمت سے زحمت بن جاتا ہے۔

ردا نے دستک پر دروازہ کھولا تو سامنے فیصل صاحب کو کھڑے پایا۔اس نے سلام کے بعد دروازے سے ہٹ کر انھیں اندر آنے کا راستہ دیا۔انھوں نے سلام کا جواب دے کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اندر کی طرف بڑھ گئے۔

گھر کی خستہ حالی نے انھیں اپنی بے خبری کا احساس شدت سے دلایا۔وہ صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گئے۔جاوید صاحب ان کے آنے کی خبر ملتے ہی صحن میں آ گئے تھے۔فیصل صاحب نے آگے بڑھ کر انھیں گلے لگایا۔جاوید صاحب کئی عرصے کے بعد ان کے اس والہانہ انداز پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

"کیسے ہو جاوید؟تم نے پھر چکر ہی نہیں لگایا میری طرف؟"جاوید صاحب نے ان کے سوال پر ان کی جانب دیکھا۔صفیہ بیگم بھی اتنی دیر میں ننھے حسن کو اٹھائے کمرے سے باہر آ گئیں۔انھوں نے آہستگی سے سلام کیا۔فیصل صاحب نے سلام کا جواب دے کر حسن کو اٹھانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھائے۔حسن بھی ہنستا ہوا ماں کی گود سے ان کی

جانب لپکا۔انھوں نے حسن کو گود میں اٹھا کر دائیں گال پر بوسہ دیا۔فیصل صاحب کے انداز آج سب کو حیران کر رہے تھے۔

"جاوید میں اس دن تمھاری مدد نہ کرنے پر معذرت چاہتا ہوں۔"فیصل صاحب نے کہہ کر قمیض کے سامنے والی جیب سے کچھ رقم نکالی اور ان کی جانب بڑھائی۔

"بھائی یہ۔۔"جاوید صاحب نے ان کے ہاتھ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"تمھیں پیسوں کی ضرورت تھی نہ اس دن۔۔؟"فیصل صاحب نے یاد دہانی کروائی۔

"جی ضرورت تھی مگر اب نہیں رہی؟"انھوں نے بڑھے ہوئے ہاتھ کی جانب دیکھ کر کہا۔فیصل صاحب نے اپنے ہاتھ کو نیچے کر لیا۔

"مگر۔۔"فیصل صاحب کو مزید کچھ کہنے کے لیے الفاظ ڈھونڈنا اس وقت دنیا کا سب سے مشکل کام لگا۔

www.novelsclubb.com

اتنے میں دروازے پر کسی نے دستک دی۔جاوید صاحب دروازہ کھولنے کے لیے آگے بڑھے۔ان کی واپسی ہنستی ہوئی آوازوں کے ہمراہ ہوئی۔

"ارے واہ آج تو فیصل نامی چاند دن میں ہی دیکھنے کو مل گیا۔۔۔"حسان صاحب نے انھیں سامنے دیکھ کر کہا۔انداز میں بچپن کی دوستی کی جھلک تھی۔بینش بیگم نے بھی وہاں موجود سب افراد کو سلام کیا۔

"حسان بھائی میں کتنے دنوں سے افطاری پر آنے والے وعدے کے وفا ہونے کے انتظار میں ہوں۔"جاوید صاحب نے محبت سے کہا۔

"ارے یار میں بھی کتنے دنوں سے آنا چاہتا ہوں پر یہ تمھاری بھابھی کے کام ہی نہیں ختم ہوتے۔۔۔کبھی یہ کردو تو کبھی وہ کردو۔"انھوں نے سارا مدعا ساتھ کھڑی بیگم پر ڈالا جو حیرت سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"فیصل تم اس دن ہماری فیکٹری کے نئے ڈیزائینز کا پوچھ رہے تھے نہ....."انھوں نے بات کا رخ بدلا۔فیصل صاحب نے ناسمجھی سے ان کی جانب دیکھا۔

"تو وہ اور کوئی نہیں تمھارا یہ بھائی جاوید ہی ہے۔"انھوں نے جاوید صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔فیصل صاحب کے چہرے پر اس وقت واضح حیرانی تھی۔

اب حسان صاحب بچوں کو کپڑے اور کھلونے کھول کھول کر دکھا رہے تھے۔جاوید صاحب ان کے اس قدر خلوص پر مشکور ہونے کہ ساتھ اتنے زیادہ تحائف لانے کا گلہ بھی کر رہے تھے۔صفیہ بیگم اپنے آنگن میں غموں کے بادلوں کے چھٹنے اور محبتوں کی میٹھی پھوار پھر سے برسنے پر رب کی شکر گزار تھیں۔

فیصل صاحب کو ضمیر کی عدالت ایک غیر کا اپنے بھائی کے ساتھ اتنی محبت دکھانے پر اپنے خسارے یاد کروا رہی تھی۔ان کے ذہن میں ماضی کی یادوں کے ساتھ کئی کاش گونجنے لگے۔ان کے دل نے جاوید کے مسکراتے چہرے کی طرف دیکھ کر اعتراف کیا کہ رشتے صرف خون سے نہیں بلکہ اپنے سے جڑے رشتوں کا **احساس** کرنے سے بنتے ہیں۔اچھے انسان مشکل وقت میں اپنوں کو تنہا نہیں چھوڑتے بلکہ ان کا مضبوط سہارا بنتے ہیں۔

پرندوں کا شور اب چہچہاہٹ میں بدل چکا تھا۔باغیچے کی طرف دیکھیں تو تمام پرندے صحن میں بکھرے تنکوں کو اکٹھا کرنے میں مگن تھے۔درخت کی ٹہنی پر ایک نیا گھونسلہ بنانے کا عمل بھی جاری تھا۔پرندوں کا ایک دوسرے کے لیے یہ احساس قابل دید تھا اور انسان کے لیے ایک اہم سبق تھا۔

دُنیا تے جو کم نہ آوے اوکھے سوکھے ویلے

اُس بے فیضے سنگی کولوں بہتر یار اکیلے

(میاں محمد بخش)

☆☆☆..... ختم شد .....☆☆☆

www.novelsclubb.com